

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اشارات

میں نے اپنے عزیز ساتھی کی ساری باتیں سنیں، اور پھر اس سے کہا:-
عزیز من! آپ میں یہ احساس کیوں پیدا ہوا کہ آپ کے پاس کوئی کام نہیں؟ حق و انصاف
کی گواہی دینے والے خدا کے سپاہیوں پر کبھی کوئی لمحہ ایسا نہیں آتا کہ ان کے پاس کوئی کام نہ رہے،
وہ فارغ ہوں اور پریشان ہونے لگیں۔

آپ اس انتظار میں رہنے کے عادی ہو گئے ہیں کہ کوئی دوسرا اگسائے اور چونکاٹے۔ کوئی
منت سماجت کرے یا نہجہ و توبیخ سے کام لے۔ آپ سے کام لینے والا آپ کے اپنے اندر
کیوں نہیں ہے؟ آپ کا ایمان آپ کو نشتر کیوں نہیں چھوٹا اور آپ کا وعدہ و عیثاق آپ کو
بار بار کیوں نہیں جھنجھوڑتا؟

آپ اپنا روئے سخن خدا کی طرف کر کے اس سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میرے لیے کیا کام ہے؟
آپ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی محفل آراستہ کر کے وہاں کیوں سوان نہیں
کرتے کہ میری راہ عمل کدھر جاتی ہے؟ سیرت و سوانح کا نورانی دفتر موجود ہے اس سے معلوم
کیجیے کہ ایک مسلم کیا کرے؟

خوابی یہ ہے کہ دین کا کام ابھی تک آپ کا ذاتی کام نہیں بنا۔ اس ذاتی کام، اصل دلچسپاں،
اصل سرگرمیاں، اصل شہتہ رابطے دوسرے ہیں۔ دین کو آپ کسی دوسری قوت کی طرف سے
عاید شدہ کام سمجھتے ہیں۔

حالانکہ آپ نے خدا کے ہاں مزدوری کرنے والے محنت کاروں میں نام لکھوایا اور خدا کی

فرج میں آپ سپاہی بھرتی ہوئے ہیں۔ ایک مزدور خوب جانتا ہے کہ اسے مالک کے کارخانے یا باغ یا کھیت میں کیا کام کرنا ہے، اسی طرح ایک سپاہی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ کس طاقتوں سے جنگ ہے اور وہ کہاں کہاں ہیں، کدھر کدھر ہے کیا حملہ کریں ہیں اور ان کا مقابلہ کس کس محاذ سے کیسے کیسے کرنا ہے۔ آپ دوسروں کی طرف سے تجویزوں کا انتظار کرتے ہیں، آپ خود کیوں نہ تہ نہی مفید تجویز میں نہیں سوچتے؛ آپ بنے بنائے منصوبہ مانگتے ہیں۔ آخر خود لیڈر منصوبہ تیار نہیں کرتے۔

عزیز بھائی! مولینا سید ابوالحسنی مودودی جیسا صاحبِ علم و فکر اور مالکِ خیر و کر دار قائد آپ سے جدا ہو گیا ہے اور یقیناً اس کا سدھ ہونا چاہیے۔ لیکن آپ کی باتوں سے ایسا تاثر جھکتا ہے اگر یا کہ بات ختم ہو گئی۔ اب دیکھو کوئی نہیں آئے گا اور ویسا نہیں ہوگا تو پھر کام کیسے ہو سکتا ہے۔

مولینا مودودی پر ایسی موت وارد نہیں ہوئی ہے کہ ان کی فکر اور ان کی تحریک ان کے نظریے دھجھل ہوتے ہی ہوا میں اڑ جائیں۔ وہ نہیں رہے تو بھی ان کا قائدانہ فیض ہم میں جاری ہے۔ اور پھر شریعت کے جس تصور قیادش سے انہوں نے ہمیں آشنا کیا ہے اس کے لحاظ سے اگر لوگوں کو شخصِ نیت کا مخلص، دین کے مقاصد کو جاننے والا اور ہم سفر دہا کی مرنی اور ہم سفر دہا کے مشورے کے ساتھ قافلے کو لے چلنے والا ایسا ملے جسے ہم اپنے اندر بہتر پاتے ہوں تو پھر اس کا احترام کیا جائے گا، اس کی اطاعت کی جائے گی، اور اس کو اس کمزور گئی احساس میں پڑنے نہیں دیا جائے گا کہ وہ چونکہ مولینا مودودی نہیں ہے اس وجہ سے وہ کام نہیں چلا سکتا۔ ہمیں اسے یہ احساس دلانا ہے کہ اپنے معزز منصب کی وجہ سے تم بھی ہیں ویسے ہی عزیز ہمارے تم بھی ہمارے ہی بزم میں ایسے ہی فائز روشن ہو اور ہم تمہارے ایک ایک اشارے پر اسی طرح چلیں گے جس طرح مولینا مودودی کے دور میں ہوتا رہا ہے چاہے اس کی علمی سطح کمتر ہو چاہے اس کی بعض آراء مختلف بھی ہوں۔ چاہے اس کا اسلوب کار کسی قدر جدا گانہ انداز رکھتا ہو، چاہے اس کا مزاج مختلف ہو۔ ہم صرف یہ چاہیں گے کہ ہمیں معروف کا حکم دیا جائے اور منکر سے روکا جائے اور تمام معاملات مشوروں سے

انجام پائیں۔ تمام لوگوں کو مقررہ دستوری اسالیب سے بات کرنے کا، اختلافات کرنے کا اور تنقید و محاسبہ کرنے کا حق حاصل رہے۔ یہ سب کچھ اگر حاصل رہے تو سمجھوتہ مولینا مودودی کی قیادت جاری ہے۔

اجتماعیت کی ایک شرط اسلام میں یہ ہے کہ اگر دینی مقاصد کے لیے نظام مشاورت کے ساتھ کام چلایا جائے ہو تو آپ اجتماعیت کے مقررہ اداروں یا مناسب سے تو ہر خطاب کر سکتے ہیں، مگر متفرق محفلوں میں آپ اجتماعیت کے فیصلوں پر منفی یا تنقیدی رائیں نہیں دے سکتے۔ ورنہ نجوی کا راستہ کھول دینے کے بعد کوئی اجتماعیت صحت مندانہ خطوط پر نہیں چل سکتی۔ براہ کرم کبھی بھی نجوی کے طرز پر غلط جگہوں پر باتیں نہ کریں۔ ورنہ آپ کا جذبہ اخلاص تباہ ہو جائے گا۔

لیکن آج بڑی مشکل یہ ہے کہ سرے سے اجتماعیت کا ڈھانچہ توڑ دیا گیا ہے اور فرد فرد بکھر گیا ہے۔ اس تبدیلی کا ایک تجربہ یہی پہلے ہو چکا ہے کہ ہم نے تنہا رہ کر اپنے جذبہ ایمانی کے چراغوں کو روشن رکھنے کے ساتھ معاشرے میں نفوذ کر کے دعوت حق پہنچانے کے نئے نئے راستے نکالے ہیں۔ آج کوئی الودھی آزمائش درپیش نہیں۔ اس وقت ہر فرد کو ایک امت بن کر کام کرنا ہے۔

ایسے مرحلہ آزمائش میں سب سے زیادہ خطرہ یہ ہوتا ہے کہ افراد اگر پہلے سے باشعور اور تربیت یافتہ نہ ہوں تو الگ الگ بولیاں بولنے لگتے ہیں اور طرح طرح کے اختلاف رونما ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضورؐ نے انتباہ دیا تھا کہ اجتماعیت سے محروم آدمی تو ریڑ سے کٹی ہوئی ایک بکری کی طرح ہے جسے گرگ طینت شیطان لقمہ بنا لیتا ہے۔ مگر دین تو اس لیے بھی ہے کہ بکریوں کو اتنی شیریں سکھا دے کہ اگر کبھی ریڑ رہے بھی نہیں تو تنہا بکری بھی اپنی حفاظت کر سکے۔

ایسے دورِ خلا میں ایک خطرہ اور بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ آدمی نے جن دلچسپیوں کو چھوڑ دیا تھا جس سے وہ مفاد سے اختلاف کر لیا تھا جن غیر ضروری تعلقات کو فراموش کر دیا تھا، وہ چاروں طرف سے آٹے آتے ہیں۔ درست کمانے کا جنون، جائیدادیں بنانے کے پروگرام، بیوی بچوں کی دبی ہوئی دلچسپی اور قبیلہ اور خاندان کے ناقابل قبول رواج سب اپنا اپنا دباؤ ڈالتے ہیں، یہاں تک کہ ایک مرد حق

ان میں پوری طرح منہمک ہو جاتا ہے۔ نہ اس کے پاس وقت رہتا ہے، نہ حقیقی لگن باقی رہتی ہے اور اپنی اس بے نوال پذیر حالت پر ضمیر کو مطمئن رکھنے کے لیے وہ پکارتا ہے کہ کوئی بتائے کہ مجھے کیا کام کرنا چاہیے۔

عزیز من اگر نماز روزہ کی ادائیگی کے لیے کسی سے پوچھنا نہیں چاہتا تو آخر دعوتِ حق کو خدا کے بندوں تک پہنچانے، خدمت کے کام کرنے، لوگوں سے رابطہ پیدا کرنے، دینی و ملی مقاصد کی طرف عوام کو توجہ دلانے کے کاموں میں کسی سے دریافت کرنا کیا ضروری ہے؟ نماز باجماعت ادا کرنے پر اگر کہیں پابندی ہے تو اپنی اپنی انفرادی نماز پر تو کوئی قدغن نہیں!

عزیز من! میں نے تمہیں اپنوں اور بیگانوں کے درمیان بیٹھ کر مایوسی پھیلانے ہوئے دیکھا ہے۔ میرے شعور کے مطابق یہ بہت بڑا جرم ہے کہ لوگوں کو دین، دعوتِ دین، اسلامی تحریک، اسلامی شخصیتوں یا اسلامی اداروں کے متعلق مایوس کیا جائے، یا کسی بھی ایسی تنظیم (موجودہ یا سابق) کے متعلق بدظن کیا جائے جس نے انہیں توانائی بخشی ہو۔

مستط شدہ باطل نظموں اور غیر اسلامی حکومتوں کے خلاف اٹھنے والے کمزور اور قلیل التعداد اور بے سروسامان لوگوں کا سرمایہ کار ہی ایمان و امید ہوتا ہے۔ ایمان و امید ہی کی برکت سے ان کی تعداد بڑھتی ہے۔ ان میں قوت آتی ہے، وہ شائد کامیاب نہ کرتے ہیں، وہ جدوجہد کی طویل ہوتی ہوئی راہوں پر صبر سے مارچ کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ آخر وہ کامیابی تک پہنچتے ہیں۔ ایمان یا امید کی قوت کو اگر کمزور کر دیا جائے تو دین کا سارا کام خراب ہو کے رہ جائے گا۔

لوگوں کو دین کے متعلق بے امید رہنی چاہیے کہ یہ غالب ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوگا۔ پھر جس شخص یا جماعت نے دین کے متعلق ان کی امیدیں استوار کی ہیں، اس کے ساتھ بھی ان کی امیدوں کو وابستہ رہنا چاہیے کہ یہ قوت ہمیں کامیابی کی طرف لے جاسکتی ہے اور لے جا رہی ہے۔ کسی جماعت کے ساتھ امیدیں اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہیں کہ اس کی قیادت کو مطعون و معتبور نہ کیا جائے (ماسوا) اس کے کہ مخصوص وجوہ موجود ہوں اور اپنی آواز مقررہ تنظیمی راستے سے اٹھائی جائے اور ضرورت ہو تو قیادت کو بدل دیا جائے۔

لیکن آج جس جماعت کا نظم موجود ہی نہیں، اس کے بکھرے ہوئے ارکان میں تو مصیبت زدگی کا احساس ہونا چاہیے۔ جیسے کسی بستی میں زلزلہ آگیا ہو، مکان گر گئے ہوں اور لوگ پراگندہ ہو گئے ہوں۔ ایسے نظم کے یلدر، دانشور، ارکان، کارکن، ہمدرد اور متفق سب کے سب مصیبت زدہ ہیں۔ ان میں باہم صرف ہمدردی و دلسوزی کا رشتہ ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرے پر اعتراض اٹھانے اور ایک دوسرے کے متعلق مایوسی کا اظہار کرنے کا یہ کو نسا موقع ہے، جو لوگ دوسروں سے مایوسی کا آغاز کرتے ہیں ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے مایوس ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ سے مایوسی جدوجہد کی اس دنیا میں ایک طرح کی خودکشی ہے۔

وہ کرب جو ایک معمولی شدہ دینی جماعت کا کارکن محسوس کرتا ہے کہ اب اُسے کہیں سے رہنمائی نہیں مل رہی ہے، اس کے مقابلے میں سابق اہل قیادت کا کرب دسیوں گنا زیادہ ہے جو یہ محسوس کرتے ہوں گے کہ جس مجبوری میں بھڑکے مشینری کو چلنے کے وہ ذمہ دار تھے۔ اُسے اُن کے سامنے غائب کر دیا گیا اور اس کے تمام پیرزے الگ الگ ہو چکے ہیں۔ اب خود ان کا برہنہ ہونا بھی ہر فرد کسی عام کارکن کی طرح ایک فرد تنہا بن کر رہ گیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ کارکنوں کو ذاتی کرب سے بڑھ کر اپنے سابق اہل قیادت کے مجبوری اور وسیع کرب کو محسوس کرنا چاہیے اور ان کے لیے انتہائی دلسوزی ان میں کارفرما ہونی چاہیے۔

اس حالت میں تو صورتِ ظاہری ایک یہی ہے کہ ہر فرد تنہا ہو کر بھی پہلے سے زیادہ ایمان، پہلے سے زیادہ امید کے ساتھ اور پہلے سے زیادہ سرگرمی سے کام کرے تاکہ جب کبھی حالت اپنی جگہ پر واپس ہوں تو ہر ایک یہ محسوس کرے کہ اس غیر تنظیمی دور میں ہم نے ذہن اور کردار اور ماحول پر اثر اندازی کے لحاظ سے بہت اچھی نشوونما پائی ہے، اور ہم پہلے سے زیادہ بڑی قوت بن چکے ہیں۔

عزیز من! تم اگر خدا سے باندھے ہوئے میثاق پر قائم ہو تو چاہیے تھا کہ وقت نکال کر گھر سے دعوتِ حق کا علم اُٹھا کر نکل کھڑے ہوتے، محلے کے ایک ایک دروازے پر دستک دیتے، خاندان کے ایک ایک فرد سے ملنے، خاص خاص تعلقات کے دائروں میں پہنچتے، دیہات کو روانہ ہو جاتے ہسپتالوں اور جیلوں کے مصیبت زدگان تک پہنچتے، مسجدوں کے حلقہ ہائے درس اور دائرہ ہائے ذکر و فکر میں

شامل ہوتے، ادب کی محفلوں میں بیٹھتے، چوپالوں میں جا جا کر قلوب زندہ کی تلاش کرتے، درس گاہوں میں پہنچ کر طلبہ کی نوخیز روحوں تک خدا و رسولؐ کی تعلیم کی خوشبو پہنچاتے۔ مہاجرین افغانستان کے لیے چندہ جمع کرنے پر ہر روز کچھ وقت صرف کرتے، لوگوں کو افغانستان میں روسی جارحیت کا حال بتاتے اور انہیں اشتراکیت کے انسانیت کش فلسفے اور اس کی خون من خون تاریخ کے اوراق دکھاتے، روس والوں نے وسط ایشیا کی جن ریاستوں کو پہلے کئی سال تک مسلمانوں کی مزاحمت کو کچلنے کے بعد منچیر بنایا ہے ان کا دکھڑا بیان کرتے، جبری الحاد کی بھاری چٹان کے نیچے جس طرح اسلامی عقیدوں اور روایتوں کی رائے ویل کو دبا دیا گیا۔ اس کی داستان عام کرتے۔ تم لوگوں میں اسلامی جذبہ جہاد کو بیدار کرنے کے لیے مارے مارے پھرتے۔ اور نہیں تو گھر پر درس قرآن کا مختصر سہل شروع کر دیتے، بچوں کو قرآن ناظرہ پڑھانے اور نماز سکھانے کا انتظام کرتے۔ عورتوں کے لیے سلائی کڑھائی کی تربیت کا سواری نہیں تو غیر رسمی مرکز اہل خانہ کے تعاون سے کھلوالینے۔ اپنی بیٹھک پر ان پڑھ عوام کے لیے دفتری کاموں سے متعلق درخواستیں لکھ کر دینے کا انتظام کرتے، محلے والوں سے رابطہ بڑھا کر ایک فلاح کمیٹی قائم کر لیتے اور اس کے زیر انتظام نوجوانوں کو کم سے کم ہفتے میں ایک بار جمع کر کے محلے میں اور خصوصاً منے کی مسجد میں صفائی کی مہم چلاتے، مریضوں کو اسپتالوں میں اور طلبہ کو درس گاہوں میں داخلہ دلوانے کے لیے سعی کرتے۔ ان کاموں کے ساتھ ساتھ دینی دعوت کا سلسلہ از خود جاری رہتا۔ ان راستوں پر چلتے ہوئے نئے نئے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک مبدوسی سماجی اجتماعیت کا حلقہ بن جاتا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے ہزاروں حلقے ملک کے شہروں اور دیہات میں ابھرتے اور ان کی دعوتی سرگرمی کی نذر سے کوئی شہری محفوظ نہ رہ سکتا۔

مگر عزیزم! تم اس بات کے عادی ہو گئے ہو کہ لکھے لکھانے مفیلڈ آجائیں تو ادھر ادھر چلے لوگوں کو ہتھا دو، یا پوسٹر تیار ہو کر از خود سامنے آجائیں تو انہیں دیواروں پر چسپاں کر دو، یا ماحول کے جائزے اور کارکردگی کی کوئی رپورٹ دفتر یا گھر میں بیٹھ کر خوش اسلوبی سے مرتب کر دکھاؤ، کوئی مامور شدہ ذمہ دار آجائے تو اس کے ساتھ باقیں ہو جائیں اور کسی محفل آرائی کی ضرورت ہو تو اس کا بندوبست کر لیا جائے۔

سچا داعی تو وہ ہوتا ہے جس کے اپنے اندر مفیلڈ بھی موجود رہتے ہیں اور پوسٹر بھی، وہ خود

اپنے آپ کو ڈیوٹی پر مامور اور ذمہ دار سمجھتا ہے، وہ ہر روز اپنی رپورٹ اپنے منیر کے واسطے سے خدا تک پہنچاتا ہے۔ اور وہ اپنی محفل خود آراستہ کر لیتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں وہ کام کرنے کی راہیں خود ایجاد کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خود ہی اکساتا ہے اور از خود حرکت کرتا ہے۔ اصول اور مقاصد متعین ہیں، دین کا مہمانہ اندازہ کار بھی واضح ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد کو حق کا شعور دلانا ہے۔ دین لٹریچر کا ایک ذخیرہ بصیرت کی روشنی پانے کے لیے موجود ہے، ہر قسم کے حالات میں کام کرنے کے مختلف تجربوں کا سرمایہ ساتھ ہے، مخالف نظریات اور اداروں اور تحریکوں سے تعارف حاصل ہے، فتنوں کا اندازہ ہے تو پھر ایک سچے داعی کو اگر اسکیمر لیڈ میں بھی اتار دیا جائے تو وہ کام کرنے کا راستہ نکال لے گا۔

ضرورت باہر سے کسی چیز کی اتنی نہیں ہے، جتنی اندرون کو زندہ و متور کرنے کی ہے۔

رفیق عزیز! کہیں ایسا تو نہیں کہ خود تمہاری شخصیت کے شائسار میں ناکارگی اور سہل انگاری نے آشیانے بنالیے ہوں، خود تمہارے اندر جذبہ بیتاب موجود نہ ہو، خود تمہارا ایمان نہیں پوری طرح روشنی نہ دیتا ہو، خود تمہارا ضمیر فیون غورہ ہو، خود تم نے زندگی میں بہت سے نمایاں قسم کے تضاد پال لیے ہوں اور ہر قسم کے حالات اور عناصر کے ساتھ تم نے سمجھوتے کر لیے ہوں؟

تمہارا حال اگر خدا نخواستہ اس پیراک کا سا ہو جس نے جسم کے ساتھ بھاری پتھر باندھ رکھے ہوں اور ہاتھوں اور پیروں کو زنجیروں سے جکڑ رکھا ہو تو پھر کوئی مودودی، کوئی سید قطب اور کوئی خمینی یا کوئی نظام جماعت تمہیں ڈوبنے سے بچا نہیں سکتا۔ لیکن ستم ظریفی ہوگی، اگر تم نیچے ہی نیچے جاتے ہوئے اپنی تدریجی غرقابی کا الزام دوسروں پر رکھو۔

تو میں اور تحریکیں اور جماعتیں وہی کامیاب ہوتی ہیں جن کا ہر فرد سب سے پہلے اپنی جگہ پر سوچتا ہے کہ میرا فرض کیا ہے، اور آیا میں اپنا فرض پورا کر رہا ہوں؟ مجھے انقلاب فردا کے لیے اپنا جو حصہ ادا کرنا ہے وہ دیانت داری سے ادا کر رہا ہوں؟ جہاں فرد فرد کے اندر ذاتی ذمہ داری کا یہ احساس موجود ہوتا ہے، وہاں یہ ضرورت نہیں پڑتی کہ آدمی اپنی کوتاہیوں کا بوجھ اٹھا اٹھا کر دوسروں پر ڈالے اور اس تلاش میں رہے کہ کس کس پر کتنا کتنا یہ بوجھ ڈالا جاسکتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۴۶)